خلیفہ عبدالحکیم مرحوم

افاداتِ رُومی

مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی کو تو عالمگیر شہرت و مقبولیت حاصل ہے اور ان کے مجموعۂ غزلیات سے بھی جو دیوان شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے علمی حلقے بخوبی واقف ہیں۔ لیکن بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ فارسی نثر کی ایک کتاب "فیہ مافیہ" بھی ان کی تصنیف ہے جو حال ہی میں دریافت ہوئی ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے فیہ مافیہ کے بعض حصوں کا خلاصہ کیا تھا جو درج ذیل ہے۔

علماء اور امراء کے باہمی تعلق کی بابت مولانا رومی فرماتے ہیں کہ نبی صلعم کا ارشاد ہے کہ سب سے خراب عالم وہ ہے جو امراء کے دروازے پر جائے اور اچھا امیر وہ ہے جو عالموں کی زیارت کے لئے آئے۔ اچھا ہے وہ امیر جو فقیر کے دروازے پر آئے اور بُرا ہے وہ فقیر جو امیر کا دروازہ کھٹکھٹائے۔ لیکن لوگ اس کا مفہوم صحیح نہیں سمجھتے۔ یہ محض زیارت اور آنے جانے کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کا دار و مدار غرض اور مقصد پر ہے۔ خراب عالم وہ ہے جو امیروں سے مدد کا طالب ہو ان کو اپنی بھلائی کا ذریعہ بنائے اور اس کے اعمال امراء کے خوف پر مبنی ہوں۔ پہلے تو اس خراب عالم نے علم ہی اس لئے حاصل کیا ہو کہ امراء سے اس کا صلہ پائے اور ان سے عزت اور منصب حاصل کرے۔ علم حاصل کرنے کے بعد اس کو امراء کی سیاست کے ماتحت کر دے اور ان کے سامنے مؤدب ہونا اپنا مشرب بنالے۔ اس قسم کا عالم امیر کے پاس جائے یا امیر اس کے گھر آئے بہرحال وہ خراب عالم ہی زائر ہے اور امیر مقصود زیارت۔ سچا عالم وہ ہے کہ جس نے دنیا طلبی اور امراء کی خاطر علم حاصل نہ کیا ہو اور اولاً اور آخراً خدا کی معرفت اس کا مقصود ہو، اور اس کا عمل اس کے مطابق ہو اس لئے نہیں کہ اس کو کسی سے کچھ انعام ملے بلکہ حق طلبی اس کی طبیعت کا جزو لاینفک ہو اور علم اس کے لئے مایۂ حیات ہو اور وہ اس کے بغیر نہ رہ سکے جس طرح مچھلی پانی کے باہر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ایسے عالم کی ہادی عقل ہوگی نہ کہ خوفِ امیر۔ اس کے علم کی ہیبت اور رُعب سے لوگ ہدایت پائیں ایسا عالم اگر کسی امیر کے ہاں جائے بھی تو اس کو امیر کا زائر نہیں کہہ سکتے بلکہ حقیقت یہ ہوگی کہ وہ امیر ہی اس کا زائر ہے کیونکہ امیر اس سے فائدہ اور مدد حاصل کرتا ہے اور وہ عالم اس امیر سے مستغنی ہے۔ اس کی مثال ایک آفتاب کی ہے جس سے سب کو فیض پہنچتا ہے پتھر لعل و یاقوت بن جاتے

ہیں اور مٹی سے سبزہ اور میوہ دار درخت نکلتے ہیں۔ ایسا عالم بھی اسی طرح عطا پیشہ ہے خواہ وہ امیر کے گھر پر فیض پہنچانے چلا جائے یا امیر اس کے دروازے پر حصول فیض کے لیے حاضر ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے علم اور اپنی قوت پر بھروسا نہ کرو اور مجھے ہی عالم و قوی و قادر سمجھو۔ اگر ایسا کروگے تو دوسروں سے مدد طلب کرنے اور امراء سے التجا کرنے سے خدا تمہیں بچائے گا ایاك نعبد و ایاك نستعین کہنے کے یہی معنی ہیں۔ صرف خدا ہی سے استعانت کرنے والا اہل دنیا اور امراء سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور ان خدایان بے توفیق سے اس کو چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے۔

اس مضمون کو مولانا نے مثنوی میں بھی بیان کیا ہے کہ خدا جس نے رحمت اپنے اوپر لازم کر رکھی ہے اگر اس کی رحمت کی وسعت تمام اشیاء و افراد و مخلوقات پر حاوی ہے تو لازم ہے کہ وہ سب کو جنت ہی کی طرف لے جانا چاہے لیکن مومن اور عارف خوشی سے اس طرف گام فرسا ہیں اور غافل و جاہل کو زبردستی اس طرف گھسیٹا جا رہا ہے جسے عذاب کہتے ہیں وہ حقیقت میں یہی گھسیٹ ہے۔

عجبت من قوم یقادون الی الجنة بالسلاسل "مجھے تعجب ہوا اس قوم پر جو زنجیروں میں جکڑ کر گھسیٹ گھسیٹ کر جنت کی طرف لائی جا رہی ہے"۔ فرماتے ہیں کہ رسول کریم نے کافروں سے جنگ کر کے ان کو قید کیا اسیروں میں ان کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ قیدی رات بھر تکلیف اور ذلت سے روتے رہے وہ مایوس تھے اور سمجھتے تھے کہ قتل کر دیے جائیں گے۔ رسول کریم ان کی طرف دیکھ کر مسکرائے انہوں نے خیال کیا کہ ہمیں مقہور اور مغلوب دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ مصطفےٰ صلعم نے ان کے ضمیر کا حال معلوم کر لیا اور ان سے کہا کہ خوشی کی وجہ وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کو زنجیروں میں جکڑ کر گھسیٹ کر جنت کی طرف لے جا رہا ہوں اور تم آہ و زاری کر رہے ہو کہ یہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ خدا ان سے کہہ رہا تھا کہ تم اپنی تمام قوتیں صرف کر کے عاجز ہو کر اب نومید ہو گئے تھے میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ایسی حالت میں بھی رحمت کی امید مجھ سے منقطع نہ کرو۔ جو قادر مطلق و رحیم سفید گائے سے کالا بچھڑا پیدا کرتا ہے وہ کالی گائے سے سفید بچھڑا بھی پیدا کر سکتا ہے۔ وہ دن میں سے رات کو نکالتا ہے اور رات میں سے دن کو، زندگی میں سے موت اور موت میں سے زندگی کا الٹ پھیر اس کی قدرت میں ہے۔ کافروں کے سوا خدا سے کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

اپنی عقل اور خوبی رائے اور حسن کار پر مغرور نہیں ہونا چاہیے بعض اوقات اچھی صورتوں کے شکم کے اندر بری صورتیں ہوتی ہیں۔ دنیا میں صور و حوادث جیسے نظر آتے ہیں ان کی حقیقت ویسی نہیں ہوتی۔ رسول کریم کو کس قدر بصیرت حاصل تھی

لیکن اس کے باوجود خدا سے دُعا مانگتے تھے کہ "ارنی الاشیاء کما ھی" کہ اے خدا مجھے اشیاء کی وہی صورت دکھا جو حقیقت میں اُن کی ہے۔

اکثر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ سخن ہی کو ذریعہ ہدایت اور ذریعہ جذب سمجھتے ہیں مولانا فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ نہیں ہے سخن حقیقت نہیں بلکہ سایۂ حقیقت ہے ایک شخص جو مجھ سے سخن کا طالب ہے آخر اس کو میرا خیال ہی میری طرف کھینچ لایا ہے میرے خیال نے اس کے ساتھ کوئی بات چیت تو نہیں کی۔ اگر میری حقیقت بے سخن اس کو کسی دوسرے مقام پر پہنچا دے تو کیا عجب ہے۔ انسان کی حقیقت اصل ہے اور سخن سایہ اور فرع ہے۔ اگر سخن جو سایہ ہے اس میں یہ قوت ہے کہ کسی کو کھینچ سکے تو سخن کے عقب میں جو حقیقت ہے اس میں کیا کشش نہیں ہو سکتی۔ لوگوں نے کلام کو ایک لابدی ذریعہ سمجھ لیا ہے۔ کلام تو محض ایک بہانہ ہے۔ آدمی کو آدمی سخن کے ذریعے نہیں کھینچتا بلکہ حقیقت کے ان اجزاءِ مناسب کے ذریعے سے جو اُن کے اندر موجود ہیں۔ اگر کسی شخص میں نبوت یا ولایت کا کوئی جزو بھی نہ ہو تو ہزاروں معجزات اور کرامات اور بیانات اس کو نبی یا ولی کی طرف نہیں کھینچ سکتے۔ باہمی جذب کے لئے کچھ ہم جنسی ہونا لازم ہے۔ کہربا جو کاہ کو کھینچتا ہے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان میں ہم جنسی کا کوئی مخفی رشتہ ہے۔

آدمی کو ہزار چیزیں اپنی طرف کھینچتی ہیں لیکن اس کثرت کو اگر بنظرِ حقیقت دیکھا جائے تو وہ کثرت اعتباری اور اضافی ہوتی ہے مگر حقیقت واحد ہوتی ہے ایک شخص کہتا ہے کہ میں میوہ کھانا چاہتا ہوں اور مجھے قورما، قلیہ، حلوا، خربوزہ، انجیر وغیرہ مطلوب ہے۔ وہ کئی چیزوں کے نام گن دیتا ہے لیکن اس طلب کثرت کی اصل ایک ہے اور وہ اصل بھوک ہے۔ اگر ان میں سے ایک ہی چیز سے اس کا پیٹ خوب بھر دو تو پھر باقی ہر چیز کے متعلق کہے گا کہ نہیں چاہئے۔ اسی طرح کثرت اشیاء کی کششوں سے انسان دھوکے میں آگیا ہے کہ مجھے یہ بھی چاہئے اور وہ بھی چاہئے یہ سب خیالات کی تزدیر ہے اگر ان خیالات کا پردہ ہٹ جائے تو سب کو معلوم ہو جائے کہ ایک ہی حقیقت ہے جو اس کی کشش کر رہی ہے اس حقیقت کے انکشاف کے بعد وہ کثرت مطالب کا طالب نہ ہوگا۔ جسے قیامت کہتے ہیں وہ اسی ایک حقیقت کے بے نقاب ہونے کا نام ہے۔

جسے انسانیت کہتے ہیں وہ عقل و تمیز کا نام ہے۔ یار و اغیار میں تمیز کرنی چاہئے۔ دین یار شناسی کا نام ہے۔ بے تمیزوں کی صحبت اور ادنیٰ غرضمندی سے تمیز جاتی رہتی ہے۔

آدمی را عقل باید در بدن ورنہ جاں در کالبد دارد حمار (سعدیؔ)

دیوانے کا جسم بھی تو آدمی ہی کا ہوتا ہے لیکن تمیز کے غائب ہونے سے اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ تمیز آدمی کے اندر ایک معنئ لطیف ہے۔ تو شب و روز تن کی پرورش میں لگا رہتا ہے اور اس معنئ لطیف کی پرورش کے لئے کچھ نہیں کرتا۔ بہانہ یہ کرتا ہے کہ آخر یہ عقل و تمیز میرے جسم ہی سے قائم ہے اسی لئے جسم کی پرداخت میں لگا رہتا ہوں۔ آخر یہ کیوں نہیں دیکھتا کہ اگر یہ اس سے قائم ہے تو وہ اس سے قائم ہے۔ ایک کی فکر میں یہ جد و جہد اور دوسرے کی کچھ فکر نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جسم عقل و روح سے قائم ہے اور عقل و روح جسم پر منحصر نہیں۔ نور عقل چشم و گوش کے دریچوں سے نکلتا ہے۔ اگر یہ دریچے نہ ہوں تو وہ اور دریچوں سے باہر نور افگن ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک شخص چراغ کی فکر کرتا رہتا ہے کہ اس کے ذریعے سے آفتاب کو دیکھ سکے۔ چراغ کے ہونے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے آفتاب کی نور افشانی تو باقی رہے گی۔

بادشاہوں کے پاس بیٹھنا اس لئے باعث خطر نہیں ہے کہ ان کا عتاب ہوا تو سر اڑ جائے گا۔ سر کا اڑنا اور موت تو لازمی چیز ہے۔ آج نہ مرے کل مرے۔ اصل میں بادشاہوں کے نفس خطرناک اژدہا ہیں۔ ان کی صحبت سے انسان کا نفس خراب ہوتا اور ہلاکت میں مبتلا ہوتا ہے۔ جو شخص ان کی صحبت میں بیٹھے اور دوستی کا دعوے کرے اور ان کا مال قبول کرے اس کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ ان کی ہاں میں ہاں ملائے وہ ان کی بد سے بد رائے قبول کرتا ہے اور اس کے مخالف زبان نہیں ہلا سکتا۔ ایسی حالت میں انسان کا دین شدید خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ جتنا ان بادشاہوں کی طرف متوجہ ہوگا اتنا ہی عمل نیک اور خدا سے دور ہوتا جائے گا۔ اکثر سلاطین ظالم ہوتے ہیں۔ اور رسول کریم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کرتا ہے خدا اسی ظالم کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ ومن اعان ظالماً سلطہ اللہ علیہ انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا فاشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوماً جھولا ۔ مولانا اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس امانت کے معنی یہ ہیں کہ "خدا نے ایک خاص کام انسان کے سپرد کیا ہے اگر وہ یہ مخصوص کام نہ کرے تو امانت میں خیانت ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک بادشاہ نے تجھے کسی جگہ ایک خاص کام کی بجا آوری کے لئے بھیجا وہاں اور بھی ادھر ادھر کے کام ہو سکتے تھے لیکن اگر ان کی طرف توجہ نہ کی کے تو نے اصلی مشن کو پورا کیا تو اور کاموں کو چھوڑ دینے پر بھی تجھے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تو نے وہ کام کیوں نہ کئے۔ اصل کام ہوگیا تو سب کچھ ہوگیا باقی کام ہوئے تو کیا اور نہ ہوئے تو کیا۔ اب اس امانت کے متعلق سوچنا چاہئے کہ یہ کام کوئی ایسا ہی کام ہوگا جو زمینوں آسمانوں اور پہاڑوں کسی کے بس کا نہیں اور وہ اس کو سرانجام دینے سے قاصر ہیں۔ اب فطرت آفاق کو دیکھئے کہ وہ کیسے کیسے حیرت انگیز کام کرتی ہے۔ خارجی فطرت کے کام ایسے ہیں کہ عقل ان کو دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے۔ پہاڑوں میں پتھر لعل و یاقوت بن جاتے ہیں اور سونے چاندی کی کانیں پیدا ہوتی ہیں۔ قوت نباتی سے مٹی بہشت عدن میں تبدیل ہو جاتی ہے زمین دانے کو پھل دیتی ہے۔ غرضیکہ زمین و آسمان و جبال کے اندر جو قوتیں کارفرما ہیں ان سے ایسے حیرت انگیز عجائب پیدا

ہوتے ہیں۔ لیکن ایک ایسا کام ہے کہ جو اُن سے نہیں بن پڑتا۔ اسی لئے خدا نے لقد کرمنا بنی آدم فرمایا۔ اور لقد کرمنا السماء والارض نہیں فرمایا۔ یہ ضرور کوئی ایسا کام ہوگا جو زمین و آسمان سے نہ ہو۔ وہی کام انسان کا مخصوص کام ہوگا جب تک وہ کام نہ کرے گا ظلوم و جہول کی نفی اس سے نہیں ہو سکتی۔ انسان کے اندر جو خاص قوتیں و دیعت کی گئی ہیں اگر وہ ان سے فقط وہی کام لے جو جمادات و نباتات اور حیوانات سے بھی سرزد ہوتے ہیں تو اس کی امتیازی خصوصیت کیا رہے گی۔ عام لوگ اپنی مخصوص انسانی صلاحیتوں کو جو انسان کا طرۂ امتیاز اور وجۂ تکریم ہیں خورد و نوش کی فکر اور بود و باش کے دھندوں میں صرف کرتے ہیں۔ دانے چارے کی فکر مکان یا گھونسلا بنانے کی فکر نسل کشی کی خواہش وغیرہ وغیرہ ان میں سے کونسی چیز ہے جو انسان کے لئے مخصوص ہو حشرات الارض، چرند پرند دام و دد سب یہی کرتے ہیں اگر عقل کو انہیں دھندوں میں صرف کیا تو ارض و سماوات کی کسی مخلوق پر بھی انسان کو تفوق حاصل نہ ہوا بلکہ نباتات اور حیوانات میں اس قسم کے کام ایسی خوش اسلوبی اور انتظام سے انجام پاتے ہیں کہ انسان ان کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ مخصوص انسانی عقل و بصیرت کو فقط انہیں چیزوں میں استعمال کرنا کچھ اس قسم کی حماقت ہے کہ ایک شخص کو بڑی نادر شمشیر لولادہندی عنایت کی جائے جس کی مثل بادشاہوں کے خزانوں میں بھی نہ ملے اور وہ احمق و کافر نعمت اس سے فقط یہ کام لے کہ اس کو قصاب کی چھری کی طرح گوشت کاٹنے کے لئے استعمال کرے اور کہے کہ میں نے اس کو معطل نہیں رکھا اس سے کچھ کام لے رہا ہوں یا اگر مجھے کوئی سونے کی دیگ مرحمت کرے اور تو اس میں شلجم پکانے لگے حالانکہ اس دیگ کی قیمت کا ہزارواں حصہ شلجم پکانے کے لئے کئی دیگیں خرید سکتا ہے۔ یا جواہرات جڑے ہوئے ایک خنجر کو میخ کی بجائے زمین میں گاڑ دے کہ اس کے سہارے سے کدو کی گرتی ہوئی بیل کو سنبھالتا ہے اور پھر یہ کہے کہ دیکھو میں اس سے کام لے رہا ہوں یونہی بیکار نہیں رکھا۔ ایسی حماقت پر ہنسی بھی آئے گی اور افسوس بھی ہوگا کہ ایک پیسے کی لکڑی کی کھونٹی یا لوہے کی میخ سے جو کام آسانی سے نکل سکتا تھا اس کے لئے جڑاؤ خنجر استعمال ہو رہا ہے جو سو اشرفیوں کی قیمت کا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم اپنی جانوں اور مالوں کو اپنی فطرت کے اصلی مقصد کے لئے استعمال کرو تو اس کے معاوضے میں تمہیں بہشت جاوداں عطا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جانوں اور مالوں کی ایسی بڑی قیمت دینے کا وعدہ کرتا ہے اور تم اپنے آپ کو اس قدر سستا بیچتے پھرتے ہو اور ایسے سودے کرتے ہو کہ جنت کی بجائے اس کے معاوضے میں دوزخ حاصل ہو۔

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃ۔

تو بقیمت برابر جانی چہ کنم قدر خود نمی دانی
مفروش خویش ارزاں کہ تو بس گراں بہائی

فقہ و حکمت و منطق و نجوم و طب یہ سب فروعی چیزیں ہیں۔ فقہ اس لئے ہے کہ کوئی شخص ناجائز طور پر تجھ سے تیری روٹی کپڑا نہ چھین لے یا تجھے ناحق قتل نہ کرے۔ نجوم اس لئے پڑھتا ہے کہ طالع سعد و نحس کا علم ہو جائے کہ تیری دنیاوی زندگی

ان سے کس طرح متاثر ہوتی ہے - جب تیرے فروع میں یہ عجائب و علوم ہیں تو تیری اصل میں بھلا کیا کچھ نہ ہوگا -

روحانی رزق اس غذائے خواب و خور کے علاوہ ہے جو تجھ میں اور حیوانات میں مشترک ہے یہ بدن تو تیرا گھوڑا ہے اور تو اس کا سوار ہے گھوڑے کی غذا اور ہوتی ہے اور اس کے سوار کی غذا اور - یہ جسمانی عالم ایک طویلہ ہے جس میں رُوح کی سواری کے گھوڑے بندھے ہیں - تجھ پر حیوانی اور بہیمی اس قدر غالب رہتی ہے کہ تو طویلے ہی میں بسر کرتا ہے اور صبح و شام گھوڑوں کے چارہ دانہ کی فکر میں لگا رہتا ہے - سوارانِ عالمِ رُوحانی کی صفوں میں جا کر کھڑے ہونے کی تجھے فرصت ہی نہیں تیرا حال وہی ہے کہ مجنوں اونٹنی پر سوار ہو کر دیارِ لیلٰے کی طرف جا رہا تھا اونٹنی کا بچہ پیچھے اس کے گاؤں میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ مجنوں جب ہشیار ہوتا تھا تو اونٹنی کو منزل مقصود کی طرف چلاتا تھا لیکن جب فکر لیلٰے میں مستغرق ہو اور اونٹنی کی عنان گیری سے غافل ہوتا تو اونٹنی راستہ پلٹ کر واپس پھر گاؤں کی طرف چل پڑتی - اس طرح جہاں سے صبح کو چلا تھا شام کو وہیں واپس پہنچ جاتا - تنگ آ کر اس نے کہا کہ یہ اونٹنی میرے لئے بلائے جان ہو گئی ہے - آخر کار اس اونٹنی سے کود پڑا اور اسے چھوڑ کر پیدل روانہ ہو گیا - یہی حال انسان کے حیوانی شہوات کا ہے کہ وہ اسکو اپنی اصل منزل کی طرف بڑھنے نہیں دیتے اور وہ جسمانیات ہی کے عالم میں کولہو کے بیل کی طرح چکر لگاتا رہتا ہے -

---

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کو علوم نجوم و رمل کے ماہر استادوں کے سپرد کیا کہ اس کو یہ تمام علوم سکھا دو - وہ لڑکا غبی تھا ان علوم کے قواعد تو اس نے ازبر کر لئے لیکن ذہانت کی کمی کی وجہ سے ان کا صحیح اطلاق نہیں کر سکتا تھا بادشاہ نے اس کا امتحان لینا چاہا ایک انگوٹھی اپنی مٹھی میں چھپا کر اس سے پوچھا کہ بتاؤ میری مٹھی میں کیا ہے - بیٹے نے نجوم و رمل کے قاعدے لگا کر جواب دیا کہ گول چیز ہے اور زرد رنگ کی ہے اور مجوف ہے یعنی گولائی کے اندر حصے میں خلا ہے - بادشاہ نے کہا کہ خوب نشانیاں بتائیں اب بتاؤ کہ چیز کیا ہے لڑکے نے جواب دیا کہ چھلنی ہے - بادشاہ نے کہا عجیب کودن ہے اس قدر علم کے بعد یہ تیری سمجھ میں نہ آیا کہ مٹھی کے اندر چھلنی کیسے ہو سکتی ہے - مولانا فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے علماء و فقہا کا یہی حال ہے کہ علوم و مباحث میں خوب موشگافی کرتے ہیں اور جو چیزیں ان کے اغراض سے وابستہ ہوں ان پر ان کا احاطہ کلی ہوتا ہے لیکن اہم ترین چیز جو حقیقت میں ان سے نزدیک تر ہونی چاہئے یعنی ان کی خودی یا اپنے کا عرفان اس کی طرف سے وہ بالکل غافل اور جاہل ہوتے ہیں - آنچہ مہم است و با او نزدیک تر از ہمہ آنست کہ خودیٔ اوست و خود را نمی داند - ہر چیز کے حلال و حرام ہونے پر حکم لگاتے رہتے ہیں کہ یہ حلال ہے یہ حرام یہ جائز ہے یہ ناجائز خود اپنے متعلق کچھ نہیں جانتے کہ میں حلال ہوں یا حرام پاک ہوں یا ناپاک جائز ہوں یا ناجائز - اس کودن لڑکے کی طرح حلال و حرام کی ظاہری نشانیاں بتا کر آخر جب عرفانِ نفس کی بابت پوچھو تو کہہ دیتے ہیں کہ مٹھی میں چھلنی ہے -

---

عام طور پر لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ زاہد کے ہاتھ خالی ہوتے ہیں اور وہ سب کچھ ترک کرکے بے نوا ہو جاتا ہے
مولانا فرماتے ہیں کہ یہ ایک دھوکا ہے دنیا دار جو حرص سے بہت سی چیزوں پر قابض رہتا ہے وہ سب غیر اصلی ہوتی ہیں اصلی
چیزوں کا مالک زاہد ہی ہوتا ہے ۔ ایک درویش کسی بادشاہ کے ہاں گیا بادشاہ نے کہا حضرت زاہد فرمایئے کیا حال ہے ۔ زاہد
نے کہا مجھے کیوں زاہد کہتا ہے زاہد تو تُو ہے ۔ بادشاہ نے کہا میں کہاں کا زاہد ہوں دنیا کا مال و متاع میرے قبضے میں ہے زاہد نے
کہا نہیں یہ واقعہ نہیں ہے معاملہ اس کے برعکس ہے دنیا و آخرت دونو عالم تیرے ہاتھ میں ہیں اور تو ہی لقمہ و خرقہ پر قانع ہے تیری
متاع دنیا کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ۔ سب حقیقی متاع حیات وجہ اللہ میں ہے جس کے اندر سب کچھ ہے ۔ اینما تولوا وجوھکم
فثم وجہ اللہ ۔ عاشقاں خود را فدائے آں وجہ کردہ اند و عوض نمی طلبند ۔ باقی سب جانور ہیں ۔ خواہ بادشاہ کہلاتے ہوں ۔
اس کے بعد فرماتے ہیں اگرچہ انعام اند اما مستحق انعام مند ۔ اگرچہ جانور ہیں لیکن خدا کی عنایت حسب مرتبۂ وجود جانوروں پر بھی ہے
خدا وجود کے تمام طویلوں کا میرِ طویلہ ہے اور ہستیوں کو ایک طویلے سے دوسرے طویلے میں منتقل کرتا رہتا ہے ۔ پہلے طویلہ عدم
سے طویلہ وجود میں لاتا ہے، پھر جمادیت کے طویلے میں کچھ عرصہ باندھتا ہے، پھر طویلہ نبات میں لے جاتا ہے، اس کے بعد طویلہ حیوانیت
ہیں اور بعد ازیں طویلہ انسانیت میں، اس کے بعد ملکیت میں لے جائے گا اور اس ارتقاء کی کوئی نہایت نہیں ہے ۔ الی ما لا
نہایۃ ۔ یہ تمام ارتقا اس لیے ہے کہ نیاس کا قائل ہو جائے کہ اس کے پاس طویلہ ہائے وجود بے شمار ہیں اور وہ ہستیوں کو
ایک طویلے سے دوسرے طویلے میں ترقی بھی دیتا رہتا ہے ۔ طبقاً عن طبق ۔ فھم لا یومنون ۔

گلستانِ حدیث

مصنفہ محمد جعفر پھلواروی

چالیس منتخب احادیث نبوی کی تشریح جس کے ہر مضمون کی تائید میں دوسری احادیث اور قرآن کریم کی آیات
سے ان کی مطابقت نہایت دلکش انداز سے پیش کی گئی ہے ۔ اندازِ نگارش اچھوتا اور تشریحات جدید
افکار و اقدار کی روشنی میں کی گئی ہیں ۔ کتابت و طباعت عمدہ ۔ مجلد مع گرد پوش ۔ قیمت ۸/۲ روپے

ملنے کا پتہ

سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ۔ کلب روڈ ۔ لاہور